

کیا سیاسی نظام اتنا دباؤ برداشت کر سکتا ہے؟

1977 کا ایکشن ذوالفقار علی بھٹونے وقت سے پہلے کروایا۔ قانونی مدت کے مطابق یہ 1977 کے آخر میں ہونے تھے۔ مگر وزیر اعظم بھٹو سات جنوری کوئی وی پرائے اور جلد ایکشن کا اعلان کر دیا۔ پورے ملک میں حد درجہ متحرک سیاسی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ مارچ میں ہونے والے وفاقی اور صوبائی ایکشن میں حکمران، پاکستان پیپلز پارٹی نے واضح اکثریت حاصل کی۔ اپوزیشن یعنی پی اے نے دوسویں سے صرف چھتیس نشستیں حاصل کیں۔ جبکہ بھٹو کو 155 سینیٹس مل گئیں۔ پی اے نے ایکشن کے نتائج تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ دل خان نے اپنی تقریر میں کہا کہ ایکشن میں دھاندی ہوئی ہے۔ اسکے بعد پی اے نے انتہائی منظم تحریک چلائی۔ انکی شراکتھیں کہ دوبارہ ایکشن کروائے جائیں اور یہ سب کچھ سپریم کورٹ کی نگرانی میں ہو۔ پورے ملک میں جلسے، جلوس، ہڑتا لیں شروع ہو گئیں۔ کئی علماء نے فتویٰ دیا کہ بھٹو کی حکومت کے خلاف جدو جهد جہاد کا درجہ رکھتا ہے۔ لوگوں کیلئے ایک مذہبی نصرت تخلیق کیا گیا۔ کہ تمام مسائل کا حل صرف اور صرف نظامِ مصطفیٰ ہے۔ ہر کوچہ ولگی میں کشیدگی پھیل گئی۔ پی اے کی مراجحتی مہم سے ملک کو 765 میں ڈال رکا نقسان ہوا۔ برآمدات میں پختیس فیصد کی آگئی۔ انتہائی مشکل دور میں مذاکرات کا ڈول ڈالا گیا۔ بھٹو اور پی اے کے مذاکرات ہوئے۔ افہام و تفہیم ہونے کے نزدیک تھی کہ بھٹو ایک مکمل طور پر غیر ضروری غیر ملکی طوفانی دورے پر روانہ ہو گئے۔ آج تک معلوم نہ ہوا کہ اتنے نازک موقع پر باہر کیوں چلے گئے۔ ضیاء الحق نے ملکی کشیدہ حالات کا فائدہ اٹھا کر پانچ جولائی کو مارشل لاء لگادیا۔ جلسے جلوس دھرے کے دھرے رہ گئے۔ سیاسی نصرے ہوا میں گم ہو گئے اور قوم مارشل لاء کی گرفت میں آگئی۔ وہ عدم استحکام جو سیاسی پارٹیوں نے خود پیدا کیا تھا وہ غضر انکو بھی لے ڈوبا۔ سب کا سیاسی نقسان ہوا۔ ضیاء الحق نے ملک کے ساتھ کیا مظالم ڈھائے، وہ سب کچھ تاریخ کا حصہ ہیں۔

بالکل اسی طرح 1997 کا ایکشن غور سے دیکھیے۔ نواز شریف کو ایک سو سینتیس نشستیں ملیں۔ جبکہ بینظیر بھٹو صرف اٹھارہ نشستیں حاصل کر سکیں۔ مختار مہنے وضاحت سے اعلان کیا کہ ایکشن میں زبردست دھاندی ہوئی ہے۔ پولنگ ایکشن پر تعینات عملے نے ڈبوں میں مسلم لیگ کے امیدواروں کے حق میں ووٹ بھرے ہیں۔ دھاندی کے الزامات کے تحت بین الاقوامی مبصرین نے اس ایکشن کو "Free and Fair" تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ نواز شریف بھاری اکثریت سے وزیر اعظم بنے۔ انکے سامنے کوئی سیاسی مسئلہ نہیں تھا۔ مگر عسکری اداروں سے چپکاش ایسی شروع ہوئی۔ جس سے ملک میں شدید عدم استحکام پیدا ہو گیا۔ اس اندر ورنی خلفشار نے ملک کو کھو کھلا کر ڈالا۔ نتیجہ وہی نکلا جو ہمارے جیسے ملک کی قسمت میں ہوتا ہے۔ 12 اکتوبر 1999 کو جزل پروین مشرف نے ملک پر قبضہ کر لیا۔ پھر سیاسی چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ وہی کنگز پارٹی، گھسے پٹے سیاستدانوں کی ٹیم ترتیب دی گئی، جوئی صفت بندی میں عسکری اداروں کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ جمہوری عمل کوحد درجہ نقسان پہنچا اور ملک کے ساتھ جو ظلم ہونا تھا، وہ روارہا۔ گزارش صرف یہ ہے کہ ملکی عدم استحکام کی جو بھی وجہات ہوں، اسکا فائدہ بھی بھی سیاسی قوتوں کو نہیں پہنچتا۔ جمہوری عمل روکنے سے سیاسی حقوق بہتے پانی کی بجائے

ٹھہرے ہوئے غلیظ جوہر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی جمہوری پارٹی کے پاس کچھ بھی نہیں بچتا۔ کم از کم ہمارے ملک میں تو یہی کھیل بار بار کھیلا جاتا رہا ہے۔

مسئلہ دوبارہ ایسا ہی کھڑا ہو چکا ہے۔ 2018 کے ایکشن کا نتیجہ چند سیاسی عناصر نے فی الفور مسترد کر دیا۔ پی ٹی آئی کو 149 نشستیں ملیں اور مسلم لیگ صرف 82 سیٹیں حاصل کر سکی۔ پیپلز پارٹی نے 54 نشستیں حاصل کیں۔ مگر ایکشن کے بعد اپوزیشن نے اس پورے ایکشن پر سوالیہ نشان لگادیا۔ *فضل الرحمن* صاحب اپنی سیٹ ہار گئے اور انہوں نے نتائج تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اسکے باوجود مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی اسمبلیوں میں گئے اور اس طرح انہوں نے بلا واسطہ ایکشن کے نتائج کو عملی طور پر قبول کر لیا۔ 2020 تک یہ معاملہ ایسے ہی چلتا رہا۔ مگر ریاستی اداروں اور حکومت نے جب احتساب کا شکنخہ کسی حد تک سخت کیا تو مولانا صاحب کا بیانیہ فوری طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ 2020 میں پی ڈی ایم کی بنیاد پڑ گئی۔ وہی روایتی احتجاج، جلسے، جلوس، ہڑتاں میں شروع ہو گئے۔ اسی دوران میں سینٹ کا ایکشن آگیا۔ جس میں پی ڈی ایم نے انتہائی کامیاب حکمتِ عملی سے سابقہ وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کو امیدوار بنادیا۔ وزیر یا مشیر خزانہ حفیظ شیخ جو حکومتی امیدوار تھے، کو نشست فاش ہوئی۔ پی ٹی آئی جو حکومتی پارٹی ہے، اس نے الزم لگایا کہ اس ایکشن میں ممبران کی خرید و فروخت ہوئی۔ مگر اسکے ناقابل تردید ثبوت ابھی تک سامنے نہیں لائے گئے۔ دوچار ویڈیو ضروری وی پر آئے مگر اس سے حتیٰ نتیجہ آخذ کرنا قادرے مشکل ہے۔ مگر اس ایک سیٹ پر پی ڈی ایم کی جیت نے پورے سیاسی نظام کی ترتیب بدل ڈالی ہے۔ اس مرحلہ پر عمران خان نے ایک حریت انگیز فیصلہ کیا کہ وہ ”اعتماد کا ووٹ“ حاصل کریگا۔ جب یہ کالم پڑھ رہے ہوں گے۔ یعنی کل، اسی دن، وزیر اعظم اعتماد کا ووٹ اسمبلی سے حاصل کر رہے ہوں گے۔ یہ غیر معمولی فیصلہ ہے۔ اس میں جتنے سے وزیر اعظم حد درجہ مضبوط ہو جائیں گے۔ اور اگر اعتماد کا ووٹ حاصل نہ کر سکے، تو سیاسی معاملات بہت زیادہ بگڑ سکتے ہیں۔ عمران خان بطور وزیر اعظم شائد موثر ثابت نہیں ہو پائے۔ مگر بطور لیڈر آف اپوزیشن وہ حد درجہ خطرناک اور موثر ثابت ہو سکتے ہیں۔ قومی اسمبلی کو تحلیل کرنے کا آپشن بھی انکے پاس قانونی طور پر موجود ہے۔ آگے کیا ہوگا۔ اس پر قطعی طور پر کچھ بھی کہنا ممکن نہیں۔ اگر عمران خان اعتماد کا ووٹ حاصل نہیں کر پائے، تو کیا پی ڈی ایم مضبوطی سے فیصلے کرنے کی پوزیشن میں ہوگی۔ کیا پی ڈی ایم کے پاس وزیر اعظم کی نشست کیلئے کوئی ایسا امیدوار موجود ہے جس پر تمام سیاسی جماعتوں کا سیاسی اجماع ہو۔ کیا ذرداری صاحب، وزارتِ عظمیٰ پیٹ میں رکھ کر مسلم لیگ کے حوالے کر دینگے۔ کیا مسلم لیگ ن کے پاس کوئی ایسی سیاسی شخصیت ہے جو پیپلز پارٹی کے طابع چلنے کیلئے تیار ہوں۔ مولانا صاحب کیونکہ اسمبلی کا حصہ ہی نہیں ہیں۔ لہذا وہ کیا چاہیں گے۔ انکا فائدہ کس میں ہوگا۔ یہ تمام سنجیدہ سوالات ہیں جسکے جواب فی الحال تلاش نہیں کیے جاسکتے ہیں۔

مگر ایک سوال عمران خان کو بھی اسکے بیٹھ کر سوچنا چاہیے۔ کہ بطور وزیر اعظم وہ عوامی توقعات پر کیوں پورے نہیں اُتر پائے۔ یہ بات درست ہے کہ کثیر الجماعتی اتحاد ہمیشہ غیر فطری ہوتا ہے۔ تمام اتحادیوں کو مطمئن رکھنا کسی بھی وزیر اعظم کیلئے ممکن نہیں۔ مگر ان مشکلات کے باوجود، انکی گورننس عوامی سطح پر پذیرائی حاصل نہیں کر پائی۔ مہلک ترین مہنگائی کو انتظامی طور پر کنٹرول کرنے میں ناکامی نے انہیں حد درجہ سیاسی نقصان پہنچایا۔ حریت انگیز بات یہ بھی ہے کہ انہوں نے منتخب شدہ لوگوں کو اپنی ٹیم میں شامل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ غیر منتخب

ممبران کی فوج کو کلیدی رول دیناحد درجہ تنازعہ فیصلہ ثابت ہوا۔ اُنکے یہ مشیر انہائی ادنی سطح کی سوچ لیکر سامنے آئے۔ کیونکہ وہ عوام کے سامنے جواب دہ نہیں تھے اور ہیں، تو ان تمام مشیران نے وہ احساس ذمہ داری نہیں دکھائی، جو ایک منتخب وزیر کا وظیر ہوتا ہے۔ خان صاحب، ابھی تک یہ نہیں سمجھ پائے کہ اُنکے سینٹ کے اُمیدوار حفیظ شخ عوام میں مقبولیت کی نہیں، بلکہ غیر مقبولیت کی سندر کھتے ہیں۔ روزمرہ کی اشیاء کی قیمتیوں میں اضافہ کی ذمہ داری عام لوگوں کی سطح پر، شخ صاحب کے ذمہ لگائی جاتی ہے۔ پسیے کالین دین بھی بعد از قیاس نہیں۔ ایک اور اہم نکتہ بھی بیان کرنا ضروری ہے۔ افسروں کی سرکاری غلطیوں کو فوجداری مقدمات میں تبدیل کر دیا گیا۔ اسکے بعد، آج تک، خان صاحب، سرکاری افسروں کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو پائے۔ یہ درست ہے کہ انہیں گورننس کو کوئی تجربہ نہیں تھا۔ مگر انکی سرکاری افسروں کی ٹیم کی سلیکیشن ہمیشہ سوالیہ نشان رہی ہے۔ نام نہیں لینا چاہتا۔ مگرنا قابلِ رشک کردار، اور شہرت کے افسران کو خان صاحب نے اتنے کلیدی عہدے دے ڈالے، کہ باغ ہی اُجزہ گیا۔ وہ تمام افسران جوں لیگ کے دور میں معقوب قرار دیے۔ محیر العقول بات ہے کہ عمران خان کو سمجھ ہی نہیں آسکی کہ اُنکے دشمن کا دشمن ان کا بہترین دوست بن سکتا ہے۔ طالب علم کی حیثیت سے معاملات کو سمجھتا ہوں کہ عمران خان نے جو کچھ فہمی ان معاملات میں دکھائی، اس سے اُنکے ذاتی دقار اور عملی سمجھ بوجھ پر سوالیہ نشان اُٹھ گئے۔ یہ معاملات معلوم نہیں، انہیں بتائے گئے یا نہیں۔ مگر ان سے وہ احکامات صادر کروالیے گئے، جس سے سرکاری ملازم ان سے دور بھاگنے لگے۔ آج بھی یہ صورتحال کسی نہ کسی طرح موجود ہے۔ اب کیونکہ حکومت کے پاس وقت کم ہے اور انکی سیاسی مشکلات میں اضافہ دراضافہ ہو رہا ہے، لہذا اس معاملہ پر کچھ بھی کرنا انکے لیے آسان نہیں ہے۔ اب توپوں کے نیچے سے بہت زیادہ پانی گزرا چکا ہے۔ لہذا خان صاحب اسی طرح غیر منتخب مشیران اور معمولی سرکاری ٹیم کے ساتھ کھلیتے رہیں گے۔

ہماری بد قسمتی یہ بھی ہے کہ سیاسی معاملات اور ذاتی دشمنی میں فرق کو ختم کر دیا گیا ہے۔ دائروں کا دائیگی سفر جاری و ساری ہے۔ کوئی سیاستدان بھی اپنے ذاتی مفادات سے آگے دیکھنا گناہ کیبرہ سمجھتا ہے۔ کسی کے پاس بھی کوئی ایسا جامع منصوبہ نہیں ہے کہ ملکی مسائل کو حسن طریقہ سے حل کر سکے۔ کالی گلوچ، جعلی نعرے، غیر سنجیدہ تقاریر اور اعلانات کا دور دورہ ہے۔ شائستگی اور رواداری دور دور تک سیاسی نظام میں نظر نہیں آتی۔ اوپر سے نیچے تک افرا تفری اور ادنی ماحول ہے۔ آنے والے دنوں میں سیاسی کشیدگی میں حد درجہ اضافہ متوقع ہے۔ معاملہ اتنا آگے بڑھ سکتا ہے کہ ملک ماضی کی طرح عدم استحکام کا شکار ہو جائیگا۔ یہاں حد درجہ سنجیدہ سوال اُٹھتا ہے کہ کیا ہمارا موجودہ سیاسی نظام اتنا بادباً برداشت کر سکتا ہے؟

راو منظر حیات